شہدائے ختم نبوت 1953ء کی یاد میں

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

مارچ کا مہینہ آتے ہی تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی رُوح فرسا، یادیں قلب وجگر کے زخم تازہ کر دیتی ہیں۔ اِسی تحریک کے دوران پاکستان کا پہلا مارشل لاء نافذ کر کے اُسے ختم رسالت کے پروانوں کی مقدس جانوں پہ آزمایا گیا اور دس ہزار بے گناہ، معصوم و نہتے بچے، جوان اور بوڑھے شہری ناموسِ رسالت کے تحفظ کی پاداش میں خاک وخون میں تڑپا دیئے گئے۔ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ اُن پاکباز شہیدوں کا جرم کیا تھا! کیا وہ ریاست کے اندر ریاست کا قیام چاہتے تھے؟ کیا وہ ریاست کے باغی تھے؟ کیا وہ سیاست وکرسی کے خواہش مند تھے؟ ہرگز، ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو تحریکِ مقدس تحفظ ختم نبوت کے ایثار پیشہ کارکن تھے جو صرف ان تین مطالبات کی منظوری کے لئے چلائی گئی تھی: ۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ۲۔ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے فارغ کیا جائے۔ ۳۔ قادیانی وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خان کو برطرف کیا جائے۔

ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کیجیے کہ ان مطالبات میں نہ تو طلبِ اقتدار کی ہوس جھلکتی ہے اور نہ ہی مال وزر کی خواہش موجود ہے، بلکہ اگر کوئی تمنا یا آرزو ہے تو یہی ایک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت پر ڈاکہ زنی کرنے والے منکرینِ ختم نبوت کو لگام دی جائے اور انہیں آئینی ترمیم کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ بس یہی اِن پاک نفسوں کی روح کی آواز تھی جو سیالکوٹ، وزیر آباد، ملتان، گوجرانوالہ اور لاہور سے کراچی تک ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعروں کی شکل میں گونج رہی تھی۔ شیدایانِ ختم نبوت کی اِس صدائے رستاخیز کو دَبانے کے لئے وقت کے حکمرانوں نے فوج کے کندھے پر بندوق رکھی اور پھر گولیوں کی تڑتڑ سے لاہور کا مال روڈ اور مسجد وزیر خان کے قرب وجوار گونجتے رہے۔ سیکرٹری دفاع سکندر مرزا نے آرڈر جاری کر رکھا تھا کہ مجھے یہ نہ بتایا جائے کہ کوئی ہنگامہ ختم کر دیا گیا ہے بلکہ مجھے یہ بتایا جائے کہ وہاں کتنی لاشیں گری ہیں؟

تحریک کا آغاز یکدم نہیں ہوا۔ پس منظر ملاحظہ کیجیے کہ: جب پاکستان بن گیا تو مجلس احرار اسلام کے قائدین نے ملکی حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد جنوری ۱۹۴۹ء میں سیاست سے دستبرداری کا اعلان کیا اور اپنی جماعتی سرگرمیوں کو اِسلام کی تبلیغ، اصلاح معاشرہ اور تحفظ ختم نبوت کے اہداف تک محدود کر لیا اور سیاسی میدان کو مسلم لیگ کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ مجلس احرار اسلام کے سیاسی محاذ کو چھوڑ دینے پر قادیانیوں کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے اِس موقع کو غنیمت سمجھتے

ہوئے پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے دیرینہ منصوبے زیرِ عمل لانے کا فیصلہ کیا۔

مرزا بشیر الدین ۱۹۴۸ء میں بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کا اعلان کر چکا تھا اور اُس کی قیادت میں قادیانی جماعت نے نہ صرف اندرون ملک اپنی سازشوں کے جال پھیلا رکھے تھے، بلکہ قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کے حساس منصب کی بدولت بیرون ملک پاکستانی سفارت خانے حمید نظامی مرحوم کے بقول قادیانیوں کی تبلیغ کے مراکز بن چکے تھے۔ اِس لیے اب قادیانی پاکستان پر اَپنی حکومت کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ ان نازک حالات میں مجلس احرار اسلام کے دُور اَندیش رہنماؤں نے تمام مکتب فکر کو ۳ جون ۱۹۵۲ء کو کُل جماعتی مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر متحد کیا اور با قاعدہ تحریک شروع سے پہلے اپنے مذکورہ بالا تین مطالبات مرتب کیے۔ جنہیں منوانے اور حکمرانوں کو قادیانوں کی تمام سازشوں سے ثبوت اور دلائل کے ساتھ آگاہ کرنے کے لئے اُن سے بار ہا مذاکرات کئے، لیکن حکمران طاقت کے نشے اور قادیانیت نوازی کے عشق میں اِس قدر مدہوش تھے کہ انہوں نے مذاکرات کو مجلس عمل کی کمزوری سمجھا۔ مجلس عمل کا قیام عمل میں لانے کی وجہ یہ تھی کہ حالات کی نزاکت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حکمرانوں کی بے حسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے مئی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں قادیانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اسلام کو ایک سوکھے ہوئے درخت اور قادیانیت کو خدا کے لگائے ہوئے پودے سے تشبیہ دے کر برسرِ عام اسلام کی توہین کا ارتکاب کر ڈالا تھا۔ ظفر اللہ خان کی اس ناپاک جسارت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور عوامی جذبات کا لاوا اُبلنے لگا، مگر مجلس عمل کے مطالبات کو حکومتی ایوان نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل نے اتمام حجت کے لئے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں مذاکرات کیے۔ جس پر تہجد گزار خواجہ ناظم الدین نے جواب دیا کہ: اگر میں آپ کے مطالبات مان لوں تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم نہیں دے گا۔ اِس کورے جواب کے باوجود مجلس عمل نے اپنے سہ نکاتی دینی مطالبات کی منظوری کے لئے حکومت کو مزید ایک ماہ کی مہلت دے دی۔

مجلس کی حکومت کو دی گئی ایک ماہ کی مہلت تیزی سے ختم ہوتی جا رہی تھی، لیکن حکومت ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ حضرت امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ہدایت پر مجلس عمل کے ایک وفد نے خواجہ ناظم الدین سے یہ معلوم کرنے کے لئے مزید ایک دفعہ پھر ملاقات کی کہ وہ مجلس عمل کے مطالبات کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ جس کے جواب میں وزیر اعظم نے حسب سابق واضح کیا کہ مجلس عمل کے مطالبات تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ ۲۲ فروری کو الٹی میٹم کی مدت ختم ہو گئی۔ جس پر ۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو مجلس عمل کے زیر اِہتمام کراچی میں عظیم الشان تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام مرکزی

قائدین نے خطاب کیا۔ کانفرنس کی منظور کردہ متفقہ قرارداد کے مطابق پُرامن تحریک تحفظ ختم نبوت کا آغاز کرنے کا اعلان کر دیا گیا، مگر ۲۶، ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دفتر مجلس احرار اسلام کراچی پر چھاپہ مار کر مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سیّد ابوالحسنات قادریؒ، صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ، تاج الدین انصاریؒ اور مولانا حامد بدایونی مرحوم سمیت متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔

پنجاب میں حکومت پنجاب کی ہدایت پر بڑی تعداد میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا، لیکن جب کراچی میں مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کی خبر پنجاب میں پہنچی تو لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے اور احتجاجی جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مجلس عمل لاہور نے یہ طے کیا تھا کہ روزانہ پچیس رضا کار گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے جا کر رضا کارانہ گرفتاری دیں گے، لیکن جب لاکھوں افراد کے جلوس کے ساتھ یہ رضا کار گورنمنٹ ہاؤس کی جانب بڑھتے تو انہیں راستے میں ہی روک کر گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ جس پر مجلس عمل کے رہنماؤں نے نئی حکمت عملی کے تحت تحریک کا ہیڈ کوارٹر اَحرار پارک (بیرون دہلی دروازہ، لاہور) سے مسجد وزیر خان منتقل کر لیا، مگر وہاں جانے والے رضا کاروں پر پولیس نے شدید لاٹھی چارج کیا۔ جس سے عوام کی بڑی تعداد زخمی ہوئی اور لاتعداد گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو فوج آ پہنچی اور لاہور شہر عملاً کرفیو کی زد میں آ گیا۔ کرفیو کے باوجود جلوس نکل رہے تھے اور ختم نبوت زندہ باد کہنے کے جرم میں عاشقانِ ختم نبوت پر گولیاں اور ڈنڈے برس رہے تھے۔ گولیوں کا مینہ برستا رہا اور ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے سینوں پر گولیاں کھا، کھا کر تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے جانیں قربان کرتے رہے۔ ۵ فروری ۱۹۵۳ء کو گوالمنڈی لاہور میں پولیس کے دو افسروں نے مسلسل فائرنگ کر کے بے حساب افراد کو شہید کر دیا۔ جس سے عوام کے جذبات مزید بھڑکے اور سول نافرمانی بغاوت میں بدلتے ہوئے صاف دکھائی دینے لگی۔ لاہور شہر میں شہدائے ختم نبوت کے پاک جسموں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ جنہیں ٹرکوں میں ڈال کر چھانگا مانگا کے جنگل میں اجتماعی قبر کھود کر اُس میں ڈال دیا جاتا اور اُن کے اوپر تیل چھڑک کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ تاکہ شہیدانِ عشقِ رسالت کا نام ونشاں مٹ جائے، لیکن اُن بدبخت ہلاکو خانوں اور چنگیز خانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ جاں نثارانِ رسول تو مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ اِن بے گناہوں کا مقدس خون کتنی جلدی رنگ لائے گا اور سنگ دل قاتل بے نام ونشاں ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔

لاہور کی تاریخ کا یہ نازک ترین دور تھا۔ جب پابندیاں، تعزیریں، ظلم وتشدد اور گولیاں بھی احرار رضا کاروں اور عقیدۂ ختم نبوت کے مجاہدوں کے متلاطم جذبات کے آگے بند باندھنے میں مکمل طور پر ناکام ہو رہی تھیں۔ ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو ڈائرِ ثانی جنرل اعظم خان نے لاہور میں مارشل لاء نافذ کر کے ظلم وتشدد کی تاریخ کا تاریک باب رقم کیا اور قاتلِ اعظم کا لقب پایا۔ فوج اور پولیس کے ہاتھوں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران دس ہزار سے زائد فرزندانِ اسلام، جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس ومنصب کی حفاظت کے مطالبہ کے جرم میں اپنے ہی خون میں نہلا دیئے گئے اور ہزاروں

بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونس کر پولیس کے درندوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

اگر چہ تحریکِ مقدس تحریک تحفظ ختم نبوت ریاستی ظلم و جبر کے ہتھکنڈوں سے کچل دی گئی، لیکن آنے والے دور نے شہدائے ختم نبوت کی صداقت، بے غرضی، اخلاص اور جرأتِ بے پناہ کو سلام پیش کیا۔ اُن کا خونِ بے گناہی رنگ لایا اور جن تین بنیادی مطالبات کی منظوری کے لئے اُن پاک نفسوں نے اپنی ناتواں جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ تینوں مطالبات کافی حد تک پورے ہوتے گئے۔ اِسی تحریک کے نتیجے میں سر ظفر اللہ قادیانی رسوا ہوا، اور عمر بھر وہ اقتدار کو ترستے ہوئے ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرا۔ قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ اگر چہ کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کی مکمل برطرفی تا حال عمل میں نہیں آئی، لیکن عملاً ان کی وہ پہلی حاکمانہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے۔

اگر تحریک تحفظ ختم نبوت کے مطالبات مان لئے جاتے تو سر ظفر اللہ خان قادیانی کی جانبدارانہ خارجہ پالیسی کی وجہ سے پاکستان امریکہ کی غلامی میں نہ آتا۔ سیٹو اور سینٹو جیسے رسوائے زمانہ معاہدوں پر دستخط کر کے پاکستان کی خود مختاری کو داؤ پر نہ لگایا جاتا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں قادیانیوں کی فرقان بٹالین پاکستانی فوج کو بے دست و پا نہ کر سکتی۔ قادیانی جرنیل جنرل اختر ملک پاک آرمی کی ہزیمت کا سبب نہ بنتا۔ پلاننگ کمیشن کے سابق ڈپٹی چیئر مین ایم ایم احمد قادیانی کی ملک دشمن سازشیں کامیاب نہ ہو سکتیں اور ملک کا مشرقی حصہ علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش نہ بنتا۔ نوبل انعام یافتہ قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کے ایٹمی راز امریکہ اور برطانیہ کے حضور پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکتا اور کوئی امریکی غنڈہ ریمنڈ ڈیوس پاکستان میں ہی پاکستان کے شہریوں کے قتل کی جرأت نہ کر سکتا۔

افسوس، صد افسوس! کہ حاکمانِ وقت نے عارضی قوت و اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو کر پاکستان کے اِن جاں نثار و وفادار شہدائے ختم نبوت کی صدائے حق پر کان نہ دھرے، بلکہ اُن کو آہن و بارود میں بھسم کر ڈالا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وطن عزیز غیروں کی غلامی میں چلا گیا اور ریاست کے اقتدار پر وہ لوگ قابض ہوتے چلے گئے۔ جن کا مذہب دولت و حکومت، جن کا مسلک بے حمیتی و بے وفائی اور جن کا آبائی پیشہ و شعار فرنگ پرستی اور ناموس رسالت کے دشمنوں کے ساتھ جنم جنم کی دوستی رہی ہے۔ یہ انجامِ بد ہے، شہیدانِ ختم رسالت پر ظلم و درندگی اور اُن کی صدا پر کان نہ دھرنے کا! کہ جس کا خمیازہ آج ہم بھگت رہے ہیں۔ رہے وہ خلد آشیاں، ناموسِ رسالت پر قربان ہونے والے شہداء کہ ہمارے لیے اُن کا تذکرہ باعثِ اجر اور اُن کی راہوں کا چلن ہمارا نشانِ راہ ہے اور اللہ کے حضور اُن کا مقام و مرتبہ ہمارے وہم و گمان سے بھی بلند ہے۔ بقول جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ:

شہیدِ عشقِ محمد کا احترام کرو
کہ اُس سے برزخ و محشر میں احتساب نہیں